جہاد اور قیام امن

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر *

اسلام اور ایمان کا بنیادی مادہ سلامتی اور امن ہیں، گویا جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ خود بھی سلامتی کے دائرے میں آجاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے سلامتی اور عافیت میں آجاتے ہیں۔ اس طرح ایمان کے حوالے سے بھی یہی معنیٰ بنتا ہے۔ ایمان قبول کرنے والا امن میں آجاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی امن و سلامتی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"فمن قال لا اله الا اللّٰه فقد عصم منی ماله و نفسه الا بحقه "(۱)

جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلیا، سوائے اس کے کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جس پر اس کا مال یا جان لینا ضروری ہوگیا ہو۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده "(۲) ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کس شخص کا اسلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "من سلم المسلمون من لسانه و یده" (۳) جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی بیان فرمایا تھا۔

اسی مضمون کو ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ و قِتَالُهُ كُفرٌ"(٤)

''کسی مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

ایمان، امان اور امانت ماخوذ ہیں۔ امن، امان اور امانت کا حقیقتِ ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے، ایمان کی حقیقت، اور اس کا جوہر اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب انسان سے دوسرے لوگ امن سے ہوں اور امن کی حالت میسر ہو۔ ایمان اور امن کا گہرا تعلق ہے اور اسلام اور سلامتی باہم ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔

ایمان، امن کی ضمانت ہے تو اسلام دینوی سلامتی ہے۔ ایمان اور اسلام ایک ایسا ماحول اور فضا مہیا کرتے ہیں، جس میں افراد، معاشرہ اور پوری دنیا حالتِ امن میں ہوسکتی ہے۔ جب ہر کوئی ایک دوسرے سے امن کی حالت میں ہوتا ہے تو ہر ایک کی جان و مال، عزت و آبرو، دوسرے کی دستبرد سے محفوظ ہوجاتی ہے۔(۵)

نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اسے امن و سلامتی کی دعا کے ساتھ ختم کیا، فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے امن کی جو بنیادیں رکھیں ان کے بارے میں مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

---

* ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

یہ پہلا دن تھا جب امن عالم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا اور اس کے بعد اسلام کے اچھے زمانے تک کبھی غروب نہیں ہوا۔ آپ کے عہد میں بدامنی کا دور دورہ تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی حکمتِ عملی سے قبائل کو ایک قوم بنا دیا۔ جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔ تھامس آرنلڈ نے آپ کے پیدا کردہ امن کا ذکر کرتے ہوئے ایک دیہاتی عرب کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ ''محمد ﷺ کی وفات پر افسوس! جب تک آپ زندہ تھے میں دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا۔ (٦)

آپ ﷺ کی حکمت عملی کے ادلین مقاصد میں سے ایک مقصد لوگوں کو امن و سلامتی فراہم کرنا تھا۔

اسلام سے قبل عرب وعجم میں جنگ، نسلی تعصب، قبائلی فخر وغرور، حصولِ اقتدار، توسیع مملکت، ایک دوسرے کے خلاف انتقامی جذبات، دوسروں کے مقابلے میں طاقت کے مظاہرے، دوسروں کی جان و مال اور وسائلِ معیشت پر قبضہ کے لیے لڑی جاتی تھی۔ یہ جنگ فساد فی الارض تھی اور کسی مثبت اور تعمیری مقصد سے بالکل خالی تھی۔ اس کا مقصد صرف علاقہ فتح کرنا اور اپنی حکومت کو توسیع دینا ہوتا تھا۔ یہ نقشہ قرآن مجید نے یوں پیش کیا ہے:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ (٧)

یہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے تباہ و برباد کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور یہ لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اسلام نے اس تصور جنگ میں بنیادی تبدیلی کردی۔

اسلام نے ایک ایسی جنگ کا تصور دیا جو لوگوں کو امن وسکون اور بنیادی انسانی حقوق دلانے کا باعث بنتی ہے۔ اسلام کا تصور جنگ، متضاد جغرافیائی قومیتوں کی بنیاد پر لڑی جانے والی قومی جنگ سے بالکل مختلف ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی جنگ ہے جو ان لوگوں کے خلاف لڑی جاتی ہے جو دین کو مٹانے کے درپے ہوتے ہیں۔

اسلام میں جہاد کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان نفرت و اختلاف اور فساد پیدا کرنے والے تمام دعووں اور داعیات کو ختم کردیا جائے تاکہ عالم انسانی میں ہمہ گیر امن وسلامتی کا دور دورہ ہو اور دنیا کا ہر انسان پرسکون زندگی بسر کرسکے۔

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں انسانوں پر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ تھے۔ ایران، روم، عرب، سب جگہ شخصی اقتدار کا دور دَورہ تھا۔ عرب میں قبائلی نظام نافذ تھا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعے استحصال اور ظلم کا نظام جاری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے ذریعے انسانوں کو انسانوں کے استبداد اور ظلم سے نجات دلائی۔ دنیا میں بے سکونی اور بے چینی اس وقت بھی پیدا ہوتی ہے جب شخصی اقتدار میں انسانوں کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے قانون کے تابع کرکے انہیں شخصی اقتدار سے نجات دلائی۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''دنیا میں سلطنتوں کے بانیوں کا مقصد قیام سلطنت کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن اسلام جو سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا وہ بجائے خود مقصود بالذات نہ تھی، بلکہ اس کے ذریعے سے دنیا کے تمام ظالمانہ نظام

ہائے سلطنت کو مٹا کر جن میں خدا کے بندوں کو بندوں کا خدا ٹھہرا دیا گیا تھا، اس کی جگہ خدا کے فرمان کے مطابق ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا مقصود تھا جس میں اللہ کے سوا نہ کسی دوسری ارضی وسماوی طاقت کی سلطنت ہو اور نہ کسی دوسرے کا قانون رائج ہو، اور جس میں فرمانروا افراد کی شخصیت، قومیت، زبان، نسل، وطن اور رنگ سے اس کا تعلق نہ ہو، بلکہ اس کی جدو جہد کا سارا منشاء سلطنت کے قانون، طرزِ سلطنت، طریقِ حکومت اور عدل و انصاف اور احکام کے حق باطل سے نہ ہو۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی ریاست قائم کی جس میں انسانوں کو انسانوں کے بنائے ہوئے خود ساختہ قانون کی غلامی سے نکال کر قانون الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں دے دیا جائے اور بتایا جائے کہ قانون الٰہی کو چھوڑ کر دوسرے قوانین انسانی کی پابندی شرک کا دوسرا راستہ ہے۔'' (۸)

اسلام کے آغاز کے وقت جو حکومتیں قائم تھیں ان میں ایک فاتح ایک گروہ کو لے کر اٹھتا تو تباہی و بربادی پھیلا کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا۔ اس خون ریزی کا مقصد شخصی سرداری، خاندانی برتری، یا قومی عظمت کا اظہار ہوتا تھا مگر اسلامی جنگ و جہاد میں اس طرح کی کوئی چیز پیش نظر اور مقصد نہ تھی۔ اس سلطنت کا مقصد بادشاہِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا اعلان اور ایک فرمان الٰہی کے آگے سارے بندگان الٰہی کو جھکانا تھا۔(۹)

اس مملکت کے اصول یہ تھے۔

"ان الحکم الا اللّٰہ" بے شک حکم (قانون) صرف اللہ کا ہے۔(۱۰)

"الا لہ الخلق و الامر" (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی نے کائنات کو بنایا ہے اور اسی کا حکم چل رہا ہے)۔(۱۱)

"ان الا مر کلہ للّٰہ "(کائنات میں حکم صرف اللہ کا ہے)(۱۲)

"لہ ملك السمٰوٰت والارض" (کائنات کی بادشاہی اور حکومت اللہ ہی کا حق اور اختیار ہے اور اسی کا اختیار چل رہا ہے۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ کا جہاد قیام امن، حاکمیتِ الٰہیہ قائم کرنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام، مظلوموں کی حمایت، شیطانی نظام کے خاتمے اور ہر اس قوت کے خلاف تھا جو انسانوں کو ظلم کا شکار بناتا ہو۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"و مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ و المستضعفین من الرجال و النساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھاو جعل لنا من لدنك و لیاء و اجعل لنا من لدنك نصیراً۔ "(۱٤)

''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں اور عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو۔ جو اس طرح دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے

اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کردے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔''

گویا جہاد کا مقصد لوگوں کو ملوکیت اور استبداد اور استحصال سے نجات دلانا ہے۔ اسلام جس جہاد کا تصور پیش کرتا ہے وہ انسانوں کو بنیادی حقوق دلاتا ہے۔ کمزوروں کو بولنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں نے مذہب کی خاطر جہاں کہیں بھی فوج کشی کی ہے وہاں اس نے کمزوروں کو بنیادی انسانی حقوق عطا کیے اور ان کمزوروں کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب انہیں دوسروں کے برابر حقوق عطا کیے اور وہ اسلام کے گرویدہ ہوگئے کہ ان کی آواز کو اہمیت دینے والا کوئی مذہب بھی موجود ہے۔ ہندوستان پر محمد ابن قاسم کا حملہ اس کی ایک زندہ مثال ہے کہ جب یہاں کے شودروں کو انسانی حقوق ملے تو وہ حیرت زدہ ہوکر اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے۔(۱۵)

دنیا میں دو گروہ موجود رہے ہیں، ایک نے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت حکومت کی اور بنی نوع انسان کو اپنے تابع فرمان بنائے رکھا ایک طبقے کو غلام بنائے رکھا اور خود آقا بن گئے۔ دوسرے گروہ نے اللہ کے بنائے قوانین کے تحت ان الحکم الا للّٰہ (۱۶) کا نعرہ لگایا۔ ان دونوں گروہوں میں پہلے دن سے تصادم جاری رہا ہے۔ پہلے گروہ کے نظام کے نتیجے میں افراتفری، خودغرضی، ظلم وستم، استحصال، بدامنی اور سیاسی و معاشرتی بے چینی پھیلی، لوگوں کے حقوق غصب کیے گئے تو وہ حکمرانوں کے خلاف ہوگئے۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھے۔ فاصلے بڑھنے سے ان دونوں گروہوں میں نفرتیں بڑھیں اور لوگوں نے حکمرانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور بدامنی پیدا ہوئی۔ اسلام الٰہی مملکت قائم کرکے اس افراتفری کا خاتمہ کرتا ہے۔

ظلم سے نجات اور عدل وانصاف کی فراہمی، کمزوروں کی خیرخواہی پر مبنی ایک نظام کا قیام انبیائے کرام کی سنت ہے، سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انبیاء لوگوں کو ظلم اور انسانوں کے استحصالی نظام سے نجات دلانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿ و اذنجینٰکم من اٰلِ فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناء کم و یستحیون نساء کم و فی ذالکم بلاء من ربکم عظیم ﴾(۱۷)

''اور جب ہم نے فرعون کے ساتھیوں سے تمہیں نجات دلائی وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کردیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۱ میں ہے۔ جالوت سے حضرت داؤد علیہ السلام نے لوگوں کو نجات دلائی۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اصول کا ذکر کیا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی بعض لوگوں کے فساد کو جہاد کے ذریعے ختم کرتا رہا ہے۔

﴿ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض﴾

''اگر اللہ کا یہ طریقہ نہ ہوتا کہ وہ ایک کے فساد کو دوسرے سے ختم نہ کرواتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔''

یعنی ایک گروہ اگر فساد برپا کرتا ہے تو دوسرے کو حکم دیا گیا کہ وہ طاقت کے ذریعے اس فساد کو ختم کرے۔

اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب برائی زور پکڑنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل حق کا ساتھ دے کر بدی کا زور توڑ دیتے ہیں۔ اہل حق تعداد میں تھوڑے ہوں یا زیادہ اس کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطع نظر حق والوں کی مدد کرتا ہے اور بدی کا زور توڑ دیتے ہیں۔

جہاد وہ قوت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ حق و باطل کے معرکے میں اہلِ حق کی مدد کرتے ہیں اور برائی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔ برائی کے ختم ہونے کا اگر یہ قانون موجود نہ ہوتا تو باطل قوتیں کبھی بھی حق کو جینے نہ دیتیں نہ ہی ان کے عبادت خانے باقی رہتے۔ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت اسی قانون کے مطابق دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل کا سر کچل دے۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں مشرکوں کے غلبہ کو روکا اور اہلِ حق کو ان سے بچا لیا۔ (۱۸)

سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۰ کے تحت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ اللہ نے دنیا کا نظام رکھا ہی ایسا ہے کہ ہر چیز، ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز، شخص یا جماعت کے مقابلے میں اپنی حیثیت اور ہستی برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی رہی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلے میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان دنیا میں باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں، قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے اور اللہ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنان حق و صداقت پر غالب کرے۔ برائی کے خاتمے کے اصول اور مقصد کے تحت اللہ نے ظالم کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی۔ فساد کا خاتمہ کرنا عقلی اعتبار سے بھی ضروری ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقل مند شخص نہیں کر سکتا۔ اگر فسادیوں کے مقابلے طاقت کے ساتھ مدافعت و حفاظت کا قانون نہ ہوتا تو ہر زمانہ میں کسی کی عبادت گاہ محفوظ نہ رہتی۔ ظاہر ہے جب عبادت گاہیں باقی نہ رہتیں تو عام آبادیاں بھی محفوظ نہ رہ سکتیں۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ظلم کے خلاف اپنے دفاع کی اجازت نہ دی جاتی۔ جہاد سے یہی مقصد پورا ہوا۔ (۱۹)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کا نظام برقرار رکھنے کے لیے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں

کے مختلف گروہوں کو ایک خاص حد تک تو زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے دیتا ہے۔مگر جب کوئی گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے وہ اس کا زور توڑ دیتا ہے۔اگر کہیں ایسے ہوتا کہ ایک قوم اور ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اس کی قہرمانی لازوال ہوتی تو یقیناً اللہ کے ملک میں فسادِ عظیم برپا ہو جاتا۔(۲۰)

نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مسلسل اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ طیبہ میں بھی منافقوں اور یہودیوں کی سازشوں کے نتیجے میں مشکل حالات درپیش رہے۔آپ ﷺ کو اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ قبل ہی جنگی لباس اتارنے کا موقع ملا۔جس ہستی کو اس قدر مشکلات، مسلسل عداوتوں، ظلم وستم اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، اسے تو بڑا منتقم مزاج ہو جانا چاہیے تھا۔ دنیوی لیڈروں میں دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ جب میدان جنگ میں اترا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور قتل و غارت کی اس نے انتہا کر دی۔لیکن نبی کریم ﷺ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔آپ نے جنگوں میں اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا۔(۲۱) اُحد کی جنگ میں آپ ﷺ کو شدید طور پر زخمی کر دیا گیا۔آپ سے کہا گیا کہ آپ ان لوگوں کے لیے بددعا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ نے لعنت کرنے والا اور ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ مجھے داعی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔''(۲۲) آپ کے اس رویے سے ہی ہم اسلام کے تصور جنگ کو سمجھ سکتے ہیں۔کہ اگر کشور کشائی رعب و دبدبہ جمانا یا انتقام لینا یا کوئی اور مقصد پیش نظر ہوتا تو آپ بھی دشمنوں کو تہس نہس کرنے کا حکم دیتے۔آپ ﷺ نے جنگیں خونریزی کے لیے نہیں کیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے لڑیں۔

دنیا میں جس قدر ظلم روا رکھا جاتا ہے، کمزوروں اور بے بسوں پر جس طرح دست درازی کی جاتی ہے، انسانی حقوق کو جس طرح پامال کیا جاتا ہے اور اخلاقی اور مذہبی قدروں کو جس طرح ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے کہ طاقت استعمال کر کے ظلم و جور کی ہر صورت کو ختم کر دیا جائے، چنانچہ جنگ انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔اگر ظالم اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیے لڑتا ہے تو مظلوم اس ظلم کو ختم کرنے اور حق کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے بدرجہ اولیٰ لڑ سکتا ہے اور اسے لڑنا چاہیے۔

فتح مکہ کے موقع پر شکست خوردہ کفار آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ان کفار کو اپنے بارے میں کسی خیر کے فیصلے کی امید نہ تھی۔آپ ﷺ نے ان سے صرف ایک سوال کیا۔اے اہلِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے بہت اچھے طرزِ عمل کی توقع رکھتے ہیں۔آپ ﷺ ایک اچھے بھائی اور ایک شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تم سے وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: لا تثریب علیکم الیوم یغفرا اللّٰہ لکم و ھو ارحم الراحمین۔ اذھبوا انتم الطلقاء۔(آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔اللہ تمہیں معاف کرے وہ نہایت رحم کرنے والا ہے، جاؤ تم میری طرف

سے آزاد ہو)۔(۲۳)

اسلام، جنگ کو اسی حد تک گوارا کرتا ہے جب تک امن وسکون قائم کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ اسلام کے نزدیک جنگ ایک عارضی امر ہے جن قباحتوں کے تدارک اور استحصال کے لیے جنگ کی جائے، ان کے تدارک کے بعد اسلام ایک لمحہ بھر کے لیے جنگ کی کیفیت جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہے۔ جب فریقِ مخالف جنگ ختم کر کے مسلمانوں سے امن کا خواہش مند ہو جائے، اس وقت اسلام بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۱ میں فرمایا:

﴿و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توكل على الله﴾

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔''

سورۃ محمد میں اسلام کے تصور جہاد کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

﴿فلا تهنوا و تدعوا الى السلم و انتم الا علون و الله معكم﴾(۲۴)

''تم ہمت نہ ہارو اور نہ ان سے صلح کی درخواست کرو، تم ہی غالب آنے والے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔''

اسلام اندھا دھند دشمنی اور جارحیت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ جارحیت کو کچلنے اور ظالم کو راہ راست پر لانے کے لیے طاقت کے استعمال کا حامی ہے۔ اگر دورِ حاضر کی جنگوں کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں انسانوں کو دشمنی اور انتقام کا نشانہ چشم زدن میں بنا دیا جاتا ہے۔ اسلام انسانوں کی اس طرح ہلاکت کی اجازت نہیں دیتا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۹۴ میں فرمایا:

﴿فمن اعتدىٰ عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدىٰ عليكم﴾

''جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہو، تم بھی اس کے خلاف اسی قدر کارروائی کر سکتے ہو جس قدر اس نے تمہارے اوپر زیادتی کی ہو۔''

دوسرے مقام پر سورۃ البقرۃ کی ہی آیت نمبر ۱۹۰ میں فرمایا:

﴿وقاتلوا فى سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين﴾

''اللہ کی راہ میں ان سے جہاد کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں اور ان پر زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس آیت مبارکہ میں وقاتلوا میں مقاتلہ کا مفہوم یہ اشارہ کرتا ہے کہ جب دوسرا فریق تمہارے ساتھ لڑنے پر اتر آئے تو پھر تم بھی اس کے خلاف لڑو۔ گویا اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا تو پھر تم امن کی حالت میں رہو۔ اسی طرح کا اشارہ یقاتلونکم میں بھی موجود ہے۔ گویا جہاد انہی لوگوں کے خلاف ہوگا جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں جو لوگ بلا واسطہ یا بالواسطہ جنگ میں ملوث ہوں انہی کے خلاف اقدام ہوگا۔ جو لوگ ہتھیار نہیں اٹھاتے

ان کے ساتھ امن میں رہا جائے گا۔

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿ولمن انتصر بعد ظلمه فا ولئك ما عليهم من سبيل انما السبيل على الذين يظلمون الناس و يبغون فى الارض بغير الحق اولئك لهم عذاب اليم۔﴾ (الشوریٰ۔ ٤١۔٤٢)

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے۔

قرآن مجید میں کافروں کے تین درجات کا ذکر ہے:

۱۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف براہ راست تصادم کی حالت میں ہیں۔

۲۔ وہ کافر جو براہ راست یا بالواسطہ کسی طور پر مسلمانوں سے متصادم نہیں بلکہ غیر جانب دار ہیں۔

۳۔ وہ کافر جو مسلمانوں کے معاہد ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 8 میں فرمایا:

﴿لا ينهكم اللّٰه عن الذين لم يقاتلو كم فى الدين و لم يخر جو كم من ديار كم ان تبروهم و تقسطوا اليهم ان اللّٰه يحب المقسطين۔﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا تم ان سے سلوک و احسان سے پیش آؤ اور ان سے عدل کا معاملہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اسلام محاربین کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو باقاعدہ جنگ میں حصہ لے رہے ہیں دوسرے وہ جو عملاً جنگ نہیں کر رہے۔ اہل قتال وہ ہیں جو جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً اور عرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یعنی جوان مرد ہیں اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عرفاً اور عقلاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً حصہ نہیں لیا کرتے۔ مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضاء، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، مندروں کے مجاور وغیرہ۔ اسلام نے جنگ کی صورت میں پہلی قسم کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی اور دوسری قسم کے لوگوں پر دست درازی سے منع کر دیا۔ (۲۵) ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک عورت کی لاش میدان میں پڑی دیکھی آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی، (۲۶) آپ ﷺ نے فرمایا عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔ (a۲۶) آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی سختی سے ممانعت فرمادی۔ (b۲۶) آپ ﷺ نے فرمایا کسی بوڑھے ضعیف کو قتل نہ کرو نہ ہی چھوٹے بچے اور عورت کو قتل کرو۔ (c۲۶) ابن عباسؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ کسی فوج کو بھیجتے تو ہدایت فرماتے کہ معاہد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرنا۔ (۲۷)

نبی اکرم ﷺ کے تصور جہاد کو فتح مکہ کی روشنی میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ جہاد برائے امن کی اس سے بڑی مثال شاید ہی موجود ہو۔ فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخل ہونا جبکہ دشمن مکمل طور پر شکست تسلیم کر چکے تھے تو اس وقت اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا جہاد کے عظیم مقصد کی مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر واضح طور پر فرمایا کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا۔ کوئی جان بچا کر بھاگے تو اس کا تعاقب نہ کرنا۔ جو اپنا دروازہ بند کرلے اسے امان دے دینا۔ اس کے علاوہ کچھ مقامات کی نشاندہی کردی کہ جو شخص خانہ کعبہ میں آجائے اسے کچھ نہ کہا جائے، جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے اس پر دست درازی نہ کی جائے۔ (۲۸)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے لشکر روانہ فرماتے تو انہیں حکم فرماتے:

"اخرجوا باسم اللّٰہ تعالیٰ تقاتلون فی سبیل عن کفر باللّٰہ لاتغدروا ولا تغلوا ولا تمثلو و لا تقتلوا لولدان ولا اصحاب الصوامع۔ "(۲۹)

''اللہ کا نام لے کر روانہ ہوں۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے خلاف اللہ کی راہ میں جہاد کریں، کسی کو دھوکہ نہ دیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، کسی کی شکل قتل کرنے کے بعد نہ بگاڑیں، بچوں کو قتل نہ کریں، نہ ہی ان لوگوں کو قتل کریں جو عبادت گاہوں میں قیام پذیر ہوں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ اس موقع پر فرمایا کرتے تھے:

﴿ولا تقتلن امراۃ و لا صبیۃ ولا کبیرا﴾(۳۰)

''عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کریں۔''

نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ امن کے لیے جنگ کی۔ اگر صلح حدیبیہ کے نقشے کو ذہن میں رکھیں تو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ ایک لشکر عظیم تھا۔ کفار کے رویے کی وجہ سے مسلمان کفار کے خلاف مشتعل بھی تھے۔ جنگ کے لیے اس ماحول سے بہتر ماحول شاید ہی کوئی ہو۔ صلح نامے پر بعض مسلمان اتنے خوش بھی نہ تھے۔ اگر آپؐ چاہتے تو کفار پر حملہ کرسکتے تھے لیکن آپؐ نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور جنگ نہیں کی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں، اسلامی جنگ کا مقصد لوٹ مار اور لوگوں کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ اس طرح کے مقاصد کے تحت جنگ کرنا حرام اور ممنوع ہے۔ اسلام میں صرف وہی جنگ جائز ہے جو ان مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کے لیے لڑی جائے۔

۱۔ قوم کے اخلاق اور نظریات کے دفاع کی خاطر

۲۔ قوم کی حریت، استقلال اور سلامتی کے بچاؤ کے لیے، اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿وقاتلو ھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ لِلّٰہِ﴾(۳۱)

دوسرے مقام پر بھی الفاظ کے فرق سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

''تم اس وقت تک لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

اس شکل میں علان جنگ کرنے والی قوم کے لیے محض اپنے عقیدے کی حریت مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقائد کی حریت و آزادی کی ضمانت بھی دے اور سارے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی بھی ضامن ہو۔ اس سلسلے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 40 میں فرمایا:

﴿ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیراً۔﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عیسائی راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، منہدم کردی جاتیں۔

ہماری تہذیب کے تابناک اصول کا یہ ایک انتہائی روشن پہلو یہ ہے کہ اس نے جس طرح ہم پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ ہم اپنی عزت وحریت پر کوئی آنچ نہ آنے دیں اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی لازم قرار دیا گیا ہے کہ دوسرے کمزور اور مظلوم گروہوں اور طبقوں کی دستگیری کرتے ہوئے ان پر کیے جانے والے مظالم کے مقابلہ میں ان کا دفاع کریں۔

﴿وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہِ القریۃ الظالم اھلھا و اجعل لنا من لدنك ولیا و اجعل لنا من لدنك نصیراً۔﴾(۳۲)

جو قوم امن وسلامتی سے رہنا ہی نہ چاہے اور ہر وقت جارحیت پر آمادہ ہو تو اس صورت میں یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو اس کی جارحیت سے بچانے کے لیے تیاری کی جائے۔ اگر کوئی قوم ہر وقت دفاع کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں رکھتی تو جارحیت پسند قوم کسی بھی وقت جارحیت کا ارتکاب کردے گی۔ اسی صورتِ حال سے بچنے کے لیے قرآن مجید کہتا ہے؛

﴿واعدولھم ما ستطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللّٰہ و عدو کم۔﴾ (الانفال: ٦٠)

''اور جہاں تک ہو سکے قوت وطاقت حاصل کرکے اور گھوڑوں کی تیاری سے ان کیلئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھی رہے۔''

اگر جارحیت پسند قوم اپنے عزائم سے باز آجائے تو تم بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو، اگر وہ جارحیت سے باز نہ آئے اور قوت کا مظاہرہ کرنے پر ہی تلی رہے تو تم بھی اپنے دفاع میں ڈٹ جاؤ۔ کیونکہ طاقت کے سامنے شرافت دکھانا بزدلی ہوتی ہے۔ قوت کو قوت ہی سے روکا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے

﴿وقاتلوا فی سبیل اللّٰه الذین یقاتلونکم﴾(البقرۃ:۱۹۴)

اگر کوئی قوم دوسری قوم کی آزادی، استقلال اور سلامتی کو چیلنج کرے تو ایسی قوم کے سامنے نرمی دکھانا نہ تو مفید ہوتا ہے اور نہ ہی عقل اس کی اجازت دیتی ہے۔اس سلسلے میں قرآن کا ارشاد ہے؛

﴿و قاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنة و یکون الدین کله اللّٰه﴾(۳۳)

''ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

انسان کی جان، مال، عزت و آبرو سبھی چیزیں اہمیت کی حامل ہیں۔اسلام کا بنیادی مقصد ان کی حفاظت بھی ہے۔نبی کریم ﷺ کو ان چیزوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔کوئی انسان کے عقائد کی اصلاح کرے، انہیں عبادات کا نظام مہیا کرے، لیکن اس معاشرے میں ظلم بھی جاری رہے تو اسے عقائد و عبادات کا مجموعہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ انسانیت کا دین نہیں ہو سکتا۔سورۃ الحدید کی آیت نمبر 25 میں دینِ اسلام کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد جہاں لوگوں کو دلائل کے ساتھ ہدایت کی راہ دکھانا تھا، وہاں عدل و انصاف مہیا کرنا اور ظلم پر ڈٹ جانے والوں کے خلاف جہاد کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا۔فرمایا:

﴿لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت و انزلنا معهم الکتٰب و المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیه بأس شدید۔﴾

''یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجی تا کہ لوگوں میں وہ عدل قائم کریں اور ہم نے لوہا نازل کیا اس میں بڑی سختی (مضبوطی) ہوتی ہے۔''

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ رسولوں کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ واضح دلائل کی روشنی میں لوگوں کو ہدایت مہیا کریں اور اتنی ہی اہم بات انہیں لوگوں کو عدل مہیا کرنا ہے اور جو لوگ ظلم کا نظام قائم رکھنے پر مصر ہوں اور عدل کے نظام کے قیام میں حائل ہو رہے ہوں، ان کے خلاف لوہا (ہتھیار) استعمال کر کے لوگوں کو عدل مہیا کریں۔

جہاد کا مقصد اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امر واقع ہے کہ اکثر لوگ نفسانی شہوات و خواہشات کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر ان کے اوپر بہیمیت یعنی جانوروں کے اوصاف اور ان کا انداز غالب ہوتا ہے وہ مال اور مقام و مرتبہ اور شیطانی خیالات میں دبے ہوئے ہوتے ہیں۔بعض لوگ اپنے آباؤ واجداد کے طور طریقوں پر سختی سے کاربند رہنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے آباؤ اجداد واضح طور پر گمراہی کی راہ پر چلنے والے تھے۔ان کے دلوں میں ان کی محبت اسی طرح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے کہ آباؤ اجداد کی محبت کی وجہ سے شرک و گمراہی سے نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔وہ انبیاء کی نصیحت پر بھی کان نہیں دھرتے۔ایسے لوگوں کو گمراہی سے نکالنا آسان نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کی رحمت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ہدایت کی کڑوی گولی انہیں ان کی خواہش کے برخلاف بھی کھلائی جائے اور ان کی مرضی کے خلاف ان کے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کیا جائے۔ انبیائے کرام کی تعلیم کے ان منکرین جماعت میں سے ایسے سرکش اور باغی لوگوں کو جنہیں انبیاء کے نسخۂ شفا سے دشمنی

ہو اور ان کی خواہش اور کوشش ہو کہ جس پاک ہستی کو دین حق کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے بھیجا گیا ہے اسے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اللہ تعالیٰ جہاد کے ذریعے چاہتے ہیں کہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو بے اثر کر کے دنیا پر جہالت اور جاہلیت کے فکر اور طرزِ معاشرت کو جاری و ساری رکھنا چاہتے ہیں ان لوگوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے، ان کا استحصال کیا جائے۔ جسم کے ایک فاسد عضو کو جو باقی جسم کے اعضاء کو زہر آلود کر رہا ہو، اسے کاٹ دیا جائے۔ یعنی جاہلیت اور جہالت کے نظام کو قائم رکھنے پر مصر گروہ کو جو باقی معاشرے کو بھی اپنے رنگ میں رنگ کر جاہلیت اور جہالت کے نظام کو قائم رکھنے پر مصر گروہ کو جو باقی معاشرے کو بھی اپنے رنگ میں رنگ کر اسے بھی جہالت کی راہ پر چلانے پر مصر ہو، اسے کاٹ دیا جائے، ان کی جمعیت کو توڑا جائے۔ (۳۴)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا منشاء و اقتضاء یہ ہے کہ نوع انسانی کو احسان کے جلیل القدر مقام کی راہنمائی سے محروم نہ رکھا جائے۔ ظالموں کے ظلم اور تعدی کو روکا جائے۔

بدامنی کا ایک بڑا سبب ظلم و تعدی اور حقوق کی پامالی ہے۔ اگر ظلم کو روکا جائے اور حقوق ادا کیے جائیں تو بدامنی سے بچا جا سکتا ہے۔ لوگوں کی گھریلو زندگی کی اصلاح کی جائے، ان کی سیاسی اور معاشی زندگی میں توازن و اعتدال پیدا کیا جائے، وہ معاشرہ جس میں درندہ صفت انسانوں کی کثرت ہو، اس کی مثال ایسی ہے کہ انسان کے جسم مین ایک زہریلا پھوڑا ہو، اگر اس پھوڑے کا آپریشن کر کے اس کی جڑیں نہ کاٹی جائیں تو اس کا غالب گمان ہے کہ وہ پھوڑا اس کے پورے جسم کے نظام کو مکمل طور پر تباہ کر دے اور انسان ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ ایسے پھوڑے یا عضو فاسد کو کاٹ دینا عین قرین حکمت و مصلحت ہوتا ہے۔ تکلیف کی تھوڑی مقدار جس کے اختیار کرنے سے کثیر تعداد میں نفع اور فائدہ حاصل ہوتا ہو اس کا اختیار کرنا واجب و لازم ہوتا ہے۔ (۳۵)

یہی حال جہاد کا ہے کہ جہاد اسلامی نقطہ نگاہ سے محض علاقے فتح کرنا اور لوگوں کو اپنے ماتحت بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد دنیا سے ایسی قوتوں کی جڑیں کاٹنا ہے جو پورے معاشرے میں خیر کی بجائے، شر، اللہ کی بجائے شیطان کے مقاصد کو پروان چڑھانے کے کام میں نہ صرف مصروفِ کار ہوتی ہیں بلکہ خیر اور اللہ کے نظام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر کے اسے اختیار کرنے سے لوگوں کو روکتی ہیں اور خیر کی قوتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوتی ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی آمد کے وقت عرب میں جو قبائل آباد تھے وہ نیکی کے تصور سے نا آشنا تھے۔ کمزوروں کے حقوق پامال کرنا، کسی کی جان و مال پر ہاتھ صاف کرنا، ظلم و تعدی کرنا، آپس کی لڑائیاں، دوسروں کو پکڑ کر غلام بنا لینا، ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ وہ اس صلاحیت سے ہی محروم تھے کہ حق بات اور جھوٹ میں فرق و امتیاز کر سکیں۔ وہ اپنے قبیلہ کے حق میں تعصب کے تحت دوسرے بڑے قبیلہ سے لڑ مرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہی وجوہ کی بنا پر ان سے جہاد کیا اور جو لوگ ظلم کے اس نظام کے ستون بنے اور اس نظام کو بدلنے کی راہ میں رکاوٹ بلکہ اسے جاری و ساری رکھنے پر بضد تھے ان کے خلاف جنگ کی۔ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ظلم

کو قائم رکھنے پر ان کی ضد اس بات کی متقاضی تھی کہ جب تک ان کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا اس وقت تک اللہ کی مخلوق کو ان کے حقوق نہیں مل سکتے تھے اور ظلم کا خاتمہ نہ ہوسکتا تھا۔ لوگوں پر اللہ کی رحمت کی نظر تھی اس لیے اللہ نے چاہا کہ جہاد کے ذریعے ان لوگوں کو ظلم سے نجات دلائے۔ لطف و کرم کا تقاضا تھا کہ جہاد کو مشروع کیا جاتا، اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمایا کہ؛

بعثت سے قبل عرب اور باقی دنیا کی جو حالت تھی اس کی وجہ سے عرب و عجم اللہ کے غضب اور سخط کے مستحق ہو چکے تھے۔ اس لیے اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ جو طاغوتی قوتیں اس وقت برسر اقتدار تھیں انہیں مٹا دیا جائے، چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے دل میں براہِ راست اور صحابہ کرامؓ کے دلوں میں آپ ﷺ کی وساطت سے جہاد فی سبیل اللہ کا شوق اور ولولہ پیدا فرمایا تا کہ اللہ کا ارادہ پورا ہو۔ (۳۶)

گویا جہاد اللہ کی مرضی کو زمین پر غالب و نافذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ ملائکہ کی طرح اللہ کے مقدر کیے ہوئے حکم (یعنی دنیا سے ظلم و فساد ختم ہو) کی تنفیذ کے لیے اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ ملائکہ کا کام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے کرتے ہیں ملائکہ ان پر عمل درآمد کرتے ہیں اور اللہ کے فیصلے کے روبہ عمل ہوجاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا طویل اور مسلسل جدو جہد کے نتائج یعنی کائنات کے نظام کے چلانے میں اللہ کی مرضی کا جہاد کے ذریعے سے قیام درحقیقت اللہ کا فعل تھا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت اعضاء و جوارح کی تھی۔ اسی بات کو قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا؛

﴿فلم تقتلوھم و لکن اللّٰہقتلھم و مارمیت اذرمیت و لکن اللّٰہ رمیٰ ﴾

جب آپ ﷺ نے کفار کی طرف پتھر پھینکے تو یہ پتھر آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے۔

شاہ ولی اللہ نبی اکرم ﷺ کے جہاد کو ظلم کے خاتمے کے لیے اللہ کی رضا و مرضی قرار دیتے ہوئے ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ بادشاہ کی طرف سے ایک شخص مامور ہوتا ہے کہ واجب القتل مجرموں کی گردن اڑانے کا عمل انجام دے۔ جب وہ کسی مجرم کو بادشاہ کے حکم سے قتل کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس سرکاری شخص نے فلاں کو قتل کر دیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کے ذریعے ظلم کے خاتمے کے دوران جو لوگ قتل ہوئے وہ درحقیقت اللہ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ قرآن مجید نے اسی کا ذکر اس انداز سے کیا ﴿فلم تقتلوھم و لکن اللّٰہ قتلھم ﴾ ''ان کافروں کو آپ نے تھوڑا قتل کیا ہے، انہیں تو اللہ نے قتل کیا ہے۔''

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرنا اور دین حق کا بول بالا کرنے کے لیے کفار سے لڑنا اللہ کی تدبیر حقانی اور الہام ربانی کی موافقت کرنا ہے۔ اس لیے جہاد کی تیاریوں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا، انسان کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اللہ کا دامنِ عاطفت اس کو گھیر لے اور اللہ تعالیٰ کی اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانپ لیا جائے۔

مستشرقین کی طرف سے یہ تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کفار کے خلاف جارحانہ انداز اختیار کیا گیا۔لیکن سچ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے کبھی بھی جنگ کا آغاز نہیں کیا گیا۔اسلام پھیلانے کے لیے جہاد کو ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ آپ ﷺ نے اسلامی مملکت کے تحفظ کے لیے ہی ہمیشہ قدم اٹھایا۔

اس کی تفصیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے حالات سے معلوم ہوجاتی ہے کہ مخالفین ہر وقت اسلامی مملکت کے خاتمے بلکہ نبی کریم ﷺ کی شمع حیات کو بجھانے کی سازشوں میں مصروف تھے،مسلمان درحقیقت مدینہ پہنچ کر بھی ہنگامی حالت سے دوچار تھے۔اس کا اندازہ ان حقائق سے کیا جاسکتا ہے کہ جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بحفاظت مدینہ طیبہ پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے باہمی مشورہ سے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا جس میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو مدینہ میں پناہ دینے پر ان پر غیض وغضب اور عتاب کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے ورنہ سخت اقدام کی دھمکی دی۔گویا انہیں مسلمانوں کا وجود مدینہ طیبہ میں بھی گوارا نہ تھا۔ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت سعد بن معاذؓ کا مکہ کے پاس سے گزر ہوا،انہوں نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ماضی میں ان کی صفوان بن امیہ کے ساتھ دوستی ہوا کرتی تھی،اسی حوالے سے سعد بن معاذؓ ان کے ہاں ٹھہرے۔وہ جب طواف کے لیے باہر نکلے تو ان کا ابوجہل سے سامنا ہوگیا اس پر ابوجہل بڑا آگ بگولا ہوا کہ ان لوگوں نے تو مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی ہے اور تم اسے اپنی حفاظت میں رکھے ہوئے ہو۔پھر کہا بخدا اگر صفوان تیرے ساتھ نہ ہوتا تو اپنے گھر کبھی واپس لوٹ کے نہ جاتا۔(۳۸)

اس سے اہل مکہ کے اس وقت کے غیض وغضب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ جاچکے تھے۔اس وقت بھی مکہ والے چین سے نہ بیٹھے تھے۔اہل مکہ نے تو مدینہ کے آس پاس آباد قبائل میں اہل اسلام کے خلاف دشمنی کی آگ اس حد تک بھڑکا دی کہ مدینہ منورہ میں کئی سال تک راتوں کو پہرہ دیا جاتا تھا۔صحابہ ہتھیار پہن کر سوتے تھے کیونکہ اہل مکہ یا مدینہ کے قرب وجوار سے حملہ کا کسی بھی وقت خطرہ موجود رہتا تھا۔امام بخاری نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حوالے سے اس زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ایک رات حملے کے خطرے کے پیش نظر دیر تک جاگتے رہے۔آپ ﷺ کو آرام کی ضرورت تھی اس پر آپ نے فرمایا''کاش کوئی صالح شخص رات کو پہرہ دے تاکہ میں آرام کرسکوں،اسی وقت باہر سے ہتھیاروں کے کھٹکنے کی آواز سنائی دی۔آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعد ابن ابی وقاصؓ ہوں اور میں رات کو پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوں۔تب آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔(۳۹)

ان حالات میں اگر آپ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھتے تو اس کا نتیجہ سلطنت مدینہ کی تباہی کے سوا کچھ برآمد نہ ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کی تمام جنگیں،امن کے قیام،فسادیوں کے خاتمے اور اسلامی مملکت کے خاتمے کے درپے

گروہوں کے خلاف تھیں، مظلوم انسانوں کی مدد اور استحصالی نظام سے چھٹکارا بھی ان جنگوں کا مقصد تھا۔

مدینہ طیبہ میں بھی مسلمان مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ ہجرت کرنے کے باوجود دشمن روز بروز جارحیت کی طرف مائل نظر آرہا تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ کے سامنے صحابہ کرام کی تربیت بھی تھی۔ یہ کردار و شخصیت سازی کی اس تربیت سے الگ تھی جو مدینہ کے اندر رہتے ہوئے کی جارہی تھی، اس تربیت کا مقصد صحابہؓ کو مدینہ کے قرب و جوار سے واقف بنانا تھا۔ تاکہ آنے والے دنوں میں جس جنگی تسلسل سے مسلمانوں کو واسطہ پڑنے والا تھا، اس سے بھی عہدہ برآ ہوسکیں۔ اگر یہ تربیت نہ کی جاتی تو صحابہ کو آئندہ چل کر مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا تھا۔ (۴۰)

سریہ عبیدہ بن الحارث کے پس منظر میں جو مقصد دکھائی دیتا ہے، وہ یہ تھا کہ کفار کے لشکر مدینہ کے قرب و جوار میں گشت کرتے رہتے تاکہ مدینہ کے قریب آباد قبائل کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کرتے رہیں اور ان قبائل کے ساتھ مسلمانوں کا اثر و رسوخ پیدا نہ ہونے دیں۔ ان کی اس طرح کی کاروائیوں سے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور اسلامی ریاست کی سلامتی کو خطرہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک دستہ بھیجا تاکہ کفار کے لشکر کو مدینہ کی حدود سے دور رہنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سریہ کو سریۂ عبیدہ بن الحارث یا سریہ رابغ کہا جاتا ہے۔ (۴۱) اس مشن کی ناکامی پر قریش نے ابوجہل کی قیادت میں ایک اور لشکر جو تین سو افراد پر مشتمل تھا روانہ کیا۔ ان لوگوں کو روکنے کے لیے تیس افراد پر مشتمل ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کی روانگی کو سریہ حمزہ بن عبدالمطلب کہا جاتا ہے۔ (۴۲)، مسلمان ان دنوں میں ابھی بالکل کمزور تھے۔ اور ان کی کمزوری کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہاری کمزوری کی وجہ سے تمہیں اچک نہ لیں۔ ان حالات میں مسلمان اس پوزیشن میں ہی نہ تھے کہ وہ کسی کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرسکیں۔ وہ تو محض اپنے دفاع اور تحفظ کے مسئلے سے عہدہ برآ ہورہے تھے (سیرت خیرالانام، ص: ۳۶۵)

غزوہ سفوان یا بدرالاولیٰ کا بنیادی سبب یہ تھا کہ کفار مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہیں کررہے تھے۔ شرارت کے طور پر انہوں نے کرز بن جابرالفہری کی قیادت میں ایک چھاپہ مار گروہ روانہ کیا۔ اس جماعت نے مدینہ کی چراگاہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جماعت کوئی مزید کارروائی کرنا چاہتی ہو، اس جماعت کے تعاقب میں ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا، گویا اس مہم کا سبب بھی دشمن کی جارحیت تھی۔ جنگِ بدر سے قبل جو سریات ہوئے، ان کا سبب یہی تھا کہ اہلِ مکہ اپنے کم ہوتے ہوئے وقار کو سنبھالا دینا چاہتے تھے اور مدینہ کی ریاست کی بڑھتی ہوئی حدود کو روکنا چاہتے تھے۔ وہ مدینہ کی ریاست کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا اپنے دفاع سے بے نیاز رہنا، اپنے وجود کو ختم کرنے کے مترادف تھا۔ (۴۴)

جنگ بدر کے بعد بنوقینقاع کا معرکہ پیش آیا۔ اس کا سبب بھی یہودی قبیلہ کی جارحانہ پالیسی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بہت سمجھایا کہ وہ میثاق مدینہ سے بغاوت نہ کریں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمیں بھی کفارِ مکہ کی طرح سمجھتے ہو؟ بخدا اگر تم ہم سے لڑو گے تو صحیح معنوں میں مردوں سے لڑو گے۔ ہم لڑنا جانتے ہیں۔ (۴۵)

غزوۂ سویق بھی اسی لیے رونما ہوا کہ ابو سفیان نے مدینہ منورہ کے مضافات میں دو مسلمانوں کو شہید کر دیا اور مسلمانوں کے درختوں کو جلا دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ابو سفیان کے تعاقب میں کچھ لوگوں کو بھیجا، (۴۶) غزوہ قرقرۃ الکُدر کا سبب یہ بنا کہ بنو سلیم مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ان کی کسی جارحیت کو روکنے کیلیے نبی کریم ﷺ نے بنو سُلیم کی خیمہ گاہوں کا رخ کیا، لیکن یہ لوگ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ (۴۷)

بنو سلیم نے دوبارہ اسی طرح کی حرکت کی، ان پر دوبارہ لشکر کشی کی گئی، لیکن وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اسے غزوہ بنو سلیم ثانی کہا جاتا ہے۔ (۴۸)

غزوۂ ذی امر ربیع الاول ۳ھ، میں ہوا، اس کا سبب یہ تھا کہ بنو فضان مدینہ منورہ پر چڑھائی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اپنے دفاع کی خاطر آپ ﷺ نے چار سو افراد کے لشکر کے ساتھ ان لوگوں کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ (۴۹)

ان تمام مہمات کا بنیادی سبب فسادیوں کو سبق سکھانا تھا۔

۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الاسنۃ الکلابی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کیلئے مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ستر تربیت یافتہ صحابہ امیر المنذر بن عمرو الساعدی کی قیادت میں روانہ کیے۔ جب یہ لوگ بئر معونہ پر پہنچے تو اس شخص نے بنو سلیم کے ساتھ مل کر ۶۹ لوگوں کو شہید کر دیا۔ (۵۰)

انہی دنوں عضل القارۃ سے ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آئی اور مبلغین بھیجنے کی درخواست کی۔ ان لوگوں کو رجیع کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ یہ ۷۹ تربیت یافتہ افراد تھے۔ (۵۱)

۴ھ میں ہی یہود کے قبیلہ بنو نضیر نے حضورؐ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ غزوۂ ذات الرقاع بھی اسی انداز سے ہوا کہ بنو غطفان نے مکہ والوں کی مدد کی اور مدینہ پر حملہ کی کوشش کی۔ ان کی اس کوشش کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ نے بنو غطفان کے علاقے کا رخ کیا۔ (۵۲)

دومۃ الجندل کے قبائل نے مسلمانوں کے قافلوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور مدینہ منورہ پر یلغار کی سوچنے لگے۔ ۵ھ میں نبی کریم ﷺ نے اس علاقے کی طرف گشت کیا اور مدینہ طیبہ پر حملے کو روکنے کا بندوبست کیا۔ مدینہ منورہ پر متوقع حملے کو روکنے اور شاہراہ کو محفوظ بنانے کے بعد آپ مدینہ واپس آ گئے۔ (۵۳)

اسی طرح اگر ہم نبی کریم ﷺ کے تمام غزوات و سرایا کا جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سب واقعات قیام امن اور مدینہ کی ریاست جو درحقیقت کلمۃ اللہ کا نشان تھی، اس کی حفاظت کے لیے رونما ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے کسی طرح کی پہل نہ تھی۔ عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر کوئی قبیلہ نبی کریم ﷺ اور اسلام کو مٹانے کے درپے ہو تو اس کا قلع قمع کرنا ہی عین مصلحت ہے۔ اگر قبیلہ جو اسلام اور حضور ﷺ کی جان کے درپے ہو، اسے چھوڑ دیا جائے تو دنیا کی کسی بھی جنگی ڈکشنری میں اسے حکمت عملی نہیں کہا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔مسلم امام، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر۱۲۴صفحہ۶۸۴ مکتبہ دارالسلام، لاہور،۲۰۰۲ء

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر۱۰

۳۔ ایضاً، حدیث نمبر۱۱

۴۔احمد بن حنبل، مسند، صفحہ۵۱۱ جلد پنجم

ترمذی، جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی تحریم الدماء و الاموال ، حدیث نمبر۲۱۵۹، کتب السنۃ صفحہ:۱۸۶۸

a۴۔ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، حدیث نمبر۳۹۳۹۔۳۹۴۱، صفحہ۲۷۱۳

۵۔ابن منظور افریقی، لسان العرب، بذیل مادہ امن، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، جلد تیرہ، ص:۲۱۔۲۷

۶۔ حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، الفیصل، لاہور، ۱۹۹۹ ص:۵

۷۔النمل،۳۴

۸۔سلیمان ندوی، سید، سیرت النبی، جلد ہفتم، ص:۴۱، الفیصل ناشران، اردو بازار، لاہور

۹۔ ایضاً، جلد ہفتم، ص:۴۳

۱۰۔الانعام، ۵۷ ۱۱۔الاعراف، ۵۴

۱۲۔آل عمران، ۱۵۴ ۱۳۔الحدید، ۲

۱۴۔النساء، ۷۵

۱۵۔تفصیل کے لیے دیکھیں، سلیمان ندوی، سید، تاریخ سندھ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۵، ص:۳۷۷۔۳۷۹

اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۲۷

سلیمان ندوی، سید، عرب و ہند کے تعلقات، اردو اکیڈمی، سندھ کراچی، ۱۹۸۷، ص:۱۷۴۔۱۸۵

آرنلڈ، پریچنگ آف اسلام (اردو ترجمہ، از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف، لاہور۱۹۷۲، ص:۲۶۷۔۲۶۸

۱۶۔الانعام، ۵۷۔ ۱۷۔البقرۃ، ۴۹

۱۸۔عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، زیر آیت نمبر۴۰، سورۃ الحج، ص:۴۳۶، مکتبہ الحسن اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۹۔کیلانوی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، زیر سورۃ الحج، آیت نمبر۴۰، مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۹ء

۲۰۔مودودی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ، جلد اول، ص:۱۹۱

۲۱۔اس کے لیے مندرجہ ذیل حوالہ جات کا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

i۔ابن ماجہ،سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، کتاب الغارہ والبیات، جلد دوم، ۱۹۹۸ء

ii۔ابو داؤد،، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم،ص:۱۲۱

iii۔دارمی ،سنن دارمی، کتاب السیر ، باب النھی عن قتل النساء والصبیان، جلد دوم،ص:۳۲۲

iv۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم،ص:۲۱

v۔مشکوٰۃ کتاب الجہاد، باب القتال فی الجہاد، جلد دوم،ص:۳۸۷

vi۔ بلاذری،فتوح البلدان،ص:۴۷

vii۔ابو یوسف، امام، کتاب الخراج،ص:۱۲۱

viii۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء النبی الی الاسلام، جلد چہارم،ص:۵

ix۔ابو داؤد سنن، کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار، جلد سوم،ص:۱۲۶

x۔ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل الاسیر، جلد سوم،ص:۱۳۷

۲۲۔مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۂ احد، جلد دوم،ص:۱۰۸

a۲۲۔خالد علوی ، انسان کامل ، الفیصل ،ص:۲۵۹

۲۳۔ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، جلد چہارم،ص:۵۲۔۵۳

۲۴۔سورہ محمد، ۳۵ ۲۵۔الممتحنۃ ،۸۔۹

۲۶۔ابن ماجہ،سنن، کتاب الجہاد، باب الفارۃ والبیات، جلد دوم،ص:۹۴۸

a۲۶۔ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم،ص:۱۲۲

b۲۶۔ بخاری، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، جلد سوم،ص:۲۱

c۲۶۔خطیب تبریزی ،مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، باب القتال فی الجہاد، جلد دوم،ص:۳۸۷

۲۷۔ابو یوسف، کتاب الخراج،ص:۱۲۱

۲۸۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد چہارم،ص:۴۶

۲۹۔

۳۰۔ترمذی، کتاب السیر ، باب ماجاء فی وصیۃ النبی فی القتال، جلد چہارم،ص:۱۶۲

۳۱۔الانفال،۳۹، البقرۃ،۱۳۹

۳۲۔النساء، ۷۵ ۳۳۔الانفال، ۳۹

۳۴۔شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،ص۔۱۲۸، الرحیم اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۸ء

۳۵۔ایضاً

۳۶۔ایضاً

۳۷۔ایضاً

۳۸۔بخاری، کتاب المغازی، باب نمبر۲، جلد سوم، ص:۵۳

۳۹۔بخاری، کتاب الجہاد، باب نمبر۷۰، جلد دوم، ص:۲۲۰

۴۰۔سیرت خیر الانام، ص:۳۴۶

۴۱۔ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد دوم، ص:۷، دار التراث العربی، قاہرہ، مصر، ۲۰۰۲ء

۴۲۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔جلد دوم، ص:۲۴۷

۴۳۔سیرت خیر الانام، ص:۳۶۵

۴۴۔ایضاً

۴۵۔ابن ہشام، جلد سوم، ص:۵

۴۶۔ایضاً، جلد سوم، ص:۴۷۔۴۹

۴۷۔ایضاً، جلد سوم، ص:۴۶، ابن سعد جلد دوم، ص:۳۱

۴۸۔ابن سعد، جلد دوم، ص:۳۵۔۳۶، ابن ہشام، جلد سوم، ص:۵۰

۴۹۔ابن سعد، جلد دوم، ص:۳۴

۵۰۔ایضاً

۵۱۔ایضاً

۵۲۔ابن سعد، جلد دوم، ص:۶۲

۵۳۔ایضاً